

قرآن کی معاشی تعلیمات

سید ابوالاعلیٰ مودودی

(۳)

۱۵۔ لازمی زکوٰۃ اور اس کی تشریح | قرآن نے اس تعلیم و ہدایت سے معاشرے کے افراد میں رضا کارانہ اتفاق فی سبیل اللہ کی ایک عام رُوح پھونک دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی کہ آپ کم سے کم اتفاق کی ایک حد مقرر کر کے ایک فرضیہ کے طور پر اسلامی ریاست کی طرف سے اس کی تحصیل اور تقسیم کا انتظام کریں :

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۹: ۳۴) (آئی بی، ان کے اموال میں سے ایک صدقہ وصول کرو۔)

یہ "ایک صدقہ" کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ عام صدقات، جو فرداً فرداً بطور خود لوگ دیتے ہیں، ان کے علاوہ ایک خاص مقدار صدقہ ان پر فرض کر دی جاتے، اور اس کا تعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کریں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اقسام کی ملکیتوں کے بارے میں ایک کم سے کم حد مقرر فرمادی جس سے کم پر فرض زکوٰۃ عائد نہ ہوگی پھر بقدر نصاب یا اس سے زائد ملکیتوں پر مختلف اموال کے معاملہ میں زکوٰۃ کی حسب ذیل شرح مقرر فرمائی۔

(۱) سونے چاندی اور زر نقد کی صورت میں جو دولت جمع ہو اس پر ۲٪ فیصد سالانہ۔

۱۹ الشوکانی، نیل الاوطار، ج ۴، ص ۸۸-۱۲۶، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۲۴۷ھ

۱۹ بعد میں اجماع سے یہ طے کیا گیا کہ تجارتی اموال پر بھی ۲٪ فیصد سالانہ کے حساب سے زکوٰۃ عائد کی جائے الشوکانی

(۲) زرعی پیداوار پر جبکہ وہ بارانی زمینوں سے ہو ۱۰ فیصد

(۳) ، جبکہ وہ مصنوعی آب پاشی سے ہو ۵ فیصد

(۴) معدنیات پر جبکہ وہ نجی ملکیت میں ہوں اور، زمینوں پر ۲۰ فیصد

(۵) مویشی پر، جو افزائشِ نسل اور فروخت کی غرض سے پالے جائیں زکوٰۃ کی شرح بھیر مگبری گائے

اونٹ وغیرہ جانوروں کے معاملے میں مختلف ہے جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ مقدار زکوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اسی طرح مسلمانوں پر فرض کی ہے

جس طرح روزانہ پانچ وقت کی چند رکعت نمازیں آپ نے اُس کے حکم سے فرض کی ہیں۔ دینی فریضے

اور لزوم کے اعتبار سے ان دونوں کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قرآن مجید اس بات کو اسلامی

حکومت کے بنیادی مقاصد میں شمار کرتا ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرے۔

یہ اہل ایمان جن کو دفاعی جنگ کی اجازت

دی جا رہی ہے، وہ لوگ ہیں، جنہیں اگر ہم نے

زمین میں اقتدار بخشا تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ

دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے، اور بدی سے روکیں گے۔

اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے

اور جنہوں نے نیک عمل کیے یہ وعدہ کیا ہے کہ

انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنا دے گا... اور نماز

قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو

تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْأَرْضِ وَأَقَامُوا

الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (۲۲: ۴۱)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

... وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

(۲۴: ۵۵-۵۶)

لیکن، جیسا کہ اوپر کی آیات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے، فرض زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا

۳- ج ۴، ص ۱۱۷- تجارتی زکوٰۃ کا یہ اصول ان کارخانوں پر بھی عائد ہو گا جو فروخت کے لیے مختلف قسم کے

سامان تیار کرتے ہیں۔

انتظام اگرچہ اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے، مگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی صورت میں یا مسلم حکومت کے اس طرف سے غفلت برتنے کی صورت میں، مسلمانوں پر سے یہ فرض ساقط نہیں ہوجاتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح نماز کا فرض ساقط نہیں ہوتا۔ کوئی اگر وصول کرنے اور تقسیم کرنے والا نہ ہو تو ہر صاحب نصاب مسلمان کو خود اپنے مال سے زکوٰۃ نکالنی اور تقسیم کرنی چاہیے۔

۱۶۔ اموال غنیمت کا خمس | فرض زکوٰۃ عائد کرنے سے جو فائدہ فراہم ہوتا ہے اس پر قرآن نے ایک اور مدد کا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ ہے اموال غنیمت (SPOILS OF WAR) کا ایک حصہ۔ قرآن نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ ہر لڑائی میں جو غنیمت کا مال فوج کے ہاتھ آئے اسے سپاہی بطور خود نہ لوٹ لیں بلکہ سب کچھ لاکر اپنے کمانڈر کے حوالہ کر دیں، اور کمانڈر اس کے پانچ حصے کر کے چار حصے ان سپاہیوں میں تقسیم کرے جنہوں نے معرکہ میں حصہ لیا ہو، اور پانچواں حصہ الگ کر کے حکومت کے حوالہ کر دے:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ
فَاتَّ لِلَّهِ خُمْسُهُ وَ لِلرَّسُولِ وَلِذِي
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَ ابْنِ
التَّبِئِلِ

تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ بھی غنیمت تم حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافر کے لیے ہے۔

(۸ : ۴۱)

التَّبِئِلِ

ﷺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں غنیمت کے خمس میں سے ایک حصہ خود حضور اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات کے لیے لیتے تھے، کیونکہ زکوٰۃ میں آپ کا اور آپ کے رشتہ داروں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد اس امر میں اختلاف ہوا کہ رسول اور قرابت داروں کا حصہ کس کو دیا جائے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ یہ حصہ آنحضرت کے لیے مہربانہ مملکت ہونے کی حیثیت سے تھا اور اب یہ آپ کے خلیفہ اور اس کے متعلقین کا حق ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کی رائے تھی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ ہی کے متعلقین کا حق ہے۔ آخر کار اس بات پر اتفاق ہوا کہ وہ حصہ جو آنحضرت اور ان کے متعلقین کے لیے تھا، اب اسلامی حکومت کی جنگی ضروریات کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ (المجتاض، ج ۳، ص ۶۵-۶۶)۔

۱۷۔ مصارفِ زکوٰۃ | ان دونوں مدات سے جو مال حاصل ہو وہ قرآن کی رو سے خزانہ عامہ (PUBLIC EXCHEQUER) کا کوئی حصہ نہیں ہے جس کا مقصد زکوٰۃ دینے والوں سمیت تمام لوگوں کے لیے آسائشیں اور ضروری خدمات بہم پہنچانا ہوتا ہے، بلکہ قرآن نے اسے حسب ذیل مصارف کے لیے مخصوص کیا ہے:

صدقات تو مخصوص ہیں فقراء کے لیے اور مساکین کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کی تحصیل و تقسیم کا کام کریں۔ اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز وہ صرف ہونے چاہیں غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں، قرض داروں کی مدد میں اشد

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْمُقَدَّرِ وَالْمَسْكِينِ
وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَفَةَ قُلُوبِهِمْ وَ
فِي الْوَقَابِ وَالْعَادِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَأَبْنِ السَّبِيلِ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى (۶۰: ۹)

اللہ فقر کے اصل معنی حاجت کے ہیں اور فقیر ہر وہ شخص ہے جو اپنی ضرورت سے کم معاش پانے کے باعث مدد کا محتاج ہو۔ لسان العرب ج ۵، ص ۶۰-۶۱، بیروت ۱۹۵۶ء)

۲۲۔ حضرت عمر کا قول ہے کہ مسکین وہ شخص ہے جو کمانہ سکتا ہو یا کمانے کا موقع نہ پاتا ہو۔ (الخصائص ج ۳، ص ۱۵۱) اس تعریف کی رو سے تمام وہ غریب بچے جو ابھی کمانے کے قابل نہ ہوئے ہوں، اور ابا بچ اور بڑے جو کمانے کے قابل نہ رہے ہوں، اور بے روزگار یا بیمار جو عارضی طور پر کمانے کے موقع سے محروم ہو گئے ہوں، مسکین ہیں۔

۲۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تین قسم کے لوگوں کو تالیف قلب کے لیے روپیہ دیا جاتا تھا، جو مخالفین اسلام کمزور مسلمانوں کو تکلیفیں دیتے یا اسلام کی عداوت میں سخت تھے انہیں روپیہ دے کر نرم رو بہ اعتدال کرنے پر آمادہ کیا جاتا تھا۔ (۲) جو لوگ اپنی قوم یا قبیلے کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے زبردستی روکتے تھے انہیں روپیہ دے کر اس روش سے باز آجانے پر آمادہ کیا جاتا تھا۔ (۳) جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے تھے ان کی مالی مدد کی جاتی تھی تاکہ ان کا اضطراب رفع ہو اور وہ مطمئن ہو کر مسلمانوں کے گروہ میں رہیں۔ (الخصائص ج ۳، ص ۱۵۱) لہذا اس سے مراد وہ مسلمان بھی ہیں جو لڑائیوں میں دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر غلام بنا لیے جاتے تھے

کی راہ میں اور مسافروں کی خبر گیری میں، اللہ کی طرف سے ایک فریضہ کے طور پر۔

۱۸۔ تقسیم میراث کا قانون کسی مرد یا عورت کی وفات پر اس کے متروکہ مال کے متعلق قرآن کا قانون یہ ہے کہ یہ مال اس کے والدین، اس کی اولاد، اور اس کی بیوی یا شوہر کے درمیان ایک مقرر نسبت کے ساتھ تقسیم کیا جاتے۔ اور اگر والدین اور اولاد نہ ہوں تو اس کے حقیقی اور علاقائی اور اخبانی یعنی ماں شریک اور باپ شریک، بھائی بہنوں کو حصہ دیا جائے۔ اس کے متعلق مفصل احکام سورہ نساء میں بیان ہوئے ہیں (ملاحظہ ہو آیت ۷ تا ۱۲، اور آیت ۱۷۶) یہاں ہم تجویف طوالت انہیں نقل نہیں کرتے۔

اس معاملہ میں قرآن نے جو اصول اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو مال ایک شخص کی زندگی میں یکجا ترکہ ہو گیا ہو وہ اس کے مرنے کے بعد ترکہ نہ رہنے دیا جائے بلکہ اس کے قرابت داروں میں پھیلا دیا جائے۔ یہ اصول تو ریش خلیف اکبر (PRIMOGENITURE) اور مشترک خاندانی جائداد (JOINT FAMILY SYSTEM) اور ایسے ہی دوسرے طریقوں کے برعکس ہے، جن کا

اور وہ غیر مسلم بھی جو مسلمانوں کے ہاں جنگ میں گرفتار ہو کر آتے اور قیدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ نیز وہ غلام بھی مراد ہیں جو پہلے سے غلام چلے آ رہے تھے۔

۲۵۔ اللہ کی راہ سے مراد جہاد اور حج ہے۔ جہاد میں جانے والا رضا کار اگر اپنی ضروریات کی حد تک مالدار بھی ہو، تب بھی وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ کیونکہ جہاد کے لیے تیاری کرنے اور سفر وغیرہ کے مصارف بہم پہنچانے کے لیے آدمی کا ذاتی مال کافی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حج کے سفر میں اگر آدمی کا زادراہ ختم ہو جائے تو وہ بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ (المجتاص، ج ۳، ص ۵۷-۱۵۶۔ نیل الاوطار ج ۲، ص ۲۶-۱۲۴)۔

۲۶۔ مسافر اپنے گھر پر چاہے مالدار بھی ہو، لیکن حالت سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اسے زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے۔ (المجتاص، ج ۳، ص ۱۵۷)۔

۲۷۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کی جو تشریح فرمائی ہے اس کی رو سے قریب ترین رشتہ داروں کی غیر موجودگی میں میراث قریب تر رشتہ داروں کو پہنچے گی اور ان کی غیر موجودگی میں بلند ترین رشتہ داروں کو ان لوگوں

بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرکز شدہ دولت مرنے والے کے بعد بھی مرکز ہی رہے۔

اسی طرح قرآن مثبتی بنانے کے طریقے کو بھی روک دیتا ہے اور یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ جو لوگ واقعی رشتہ دار ہیں، میراث میں حق ماہی کا ہے، کسی غیر آدمی کو بیٹیا بنا کر مصنوعی طور پر وارث نہیں بنایا جاسکتا۔

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ
اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا ہے، یہ تو ایک بات ہے جو تم بس اپنے منہ

سے نکالتے ہو۔

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ
اور رشتہ دار ہی اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

لیکن حقیقی وارث رشتہ داروں کے حقوق کی پوری طرح حفاظت کر دینے کے بعد قرآن ان کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ تقسیم میراث کے موقع پر جو غیر وارث رشتہ دار آئیں ان کو بھی وہ اپنی خوشی سے کچھ نہ کچھ دیں:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَ قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا وَ لِيُخَشِ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ صِنَاعًا فَخَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ
اور جب تقسیم کے موقع پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین لوگ آئیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دو اور ان سے اچھی طرح بات کرو۔ لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ رہے ہوتے تو انہیں کیسے کیسے اندیشے لاحق ہوتے، پس چاہیے کہ لوگ اللہ سے ڈریں۔

۱۹۔ وصیت کا قاعدہ | قرآن مجید وراثت کا قانون مقرر کرنے کے ساتھ آدمی کو یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے ترکے کے بارے میں وصیت کر دے:

میں تقسیم کیا جائے گا جو غیروں کی بنسبت میت سے کوئی قرابت رکھتے ہوں لیکن اگر کوئی رشتہ دار مرے سے موجود ہی نہ ہو تو پھر یہ مال اسلامی حکومت کے خزانہ میں داخل ہوگا۔ (نیل الاوطار، ج ۴، ص ۴۶-۴۷)

كُنْتُمْ عَلَيْكُمْ إِذَا أَحْضَرُوا أَحَدَكُمْ
 الْمَوْتِ أَنْ تَرَكَ خَيْرَانَ الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ
 وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ

تم پر لکھ دیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا
 وقت آئے اور وہ کافی مال چھوڑ رہا ہو تو والدین
 اور رشتہ داروں کے لیے جائز طریقہ پر وصیت
 کر دے، یہ حق ہے پر ہمیزگاروں پر۔ (۱۸۰:۲)

اس حکم کا منشا یہ ہے کہ ایک تو مرنے والا خصوصیت کے ساتھ اپنے والدین کے حق میں
 اپنی اولاد کو حسن سلوک کی وصیت کر جائے، کیونکہ ان سے بوڑھے دادا دادی کی خدمت کی
 توقع کم ہی کی جاسکتی ہے۔ دوسرے اس کے خاندان میں جو افراد ایسے ہوں جنہیں قانون کے
 مطابق میراث میں سے حصہ نہیں پہنچتا، مگر مرنے والا انہیں مدد کا مستحق سمجھتا ہو تو انہیں اپنے
 ترکے میں سے حصہ دینے کی وصیت کر دے۔ اس کے علاوہ ایک شخص اگر بہت مال چھوڑ
 رہا ہو تو وہ رفاہ عام کے کاموں کے لیے بھی وصیت کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا
 آیت کا منشا یہ نہیں ہے کہ وصیت کی اجازت صرف والدین اور رشتہ داروں تک ہی محدود
 رہے۔

وصیت اور میراث کے اس قانون سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ شخصی املاک کے
 ترکوں کے معاملہ میں اسلامی اسکیم یہ ہے کہ دو تہائی تو لازماً قانون میراث کے مطابق تقسیم ہو، اور
 ایک تہائی مرنے والے کے اختیار تیزی پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ جس غرض کے لیے چاہے
 اسے صرف کرنے کی وصیت کر دے۔ بشرطیکہ وہ جائز طریقہ پر ہو، یعنی وہ کام بھی جائز ہو

۲۸ نیل الاوطار، ج ۶، ص ۳۲-۳۳۔ اس معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح سے قرآن کا جو منشا
 معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کے لیے اپنے رشتہ داروں کو غریب و محتاج چھوڑ کر رفاہ عام پر خرچ کرنے
 کی وصیت کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ نیل الاوطار میں بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث سے آنحضرت
 کے جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ "تیرا اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں
 اس حال میں چھوڑے کہ وہ محتاج ہوں اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا میں"

جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اور اس میں کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو۔^{۲۹}

۲۰۔ نادان لوگوں کے مفاد کی حفاظت | جو لوگ خفیف العقل ہونے کی وجہ سے اپنی املاک میں صیح تصرف نہ کر سکتے ہوں اور ان کو صنائع کر رہے ہوں، یا بجا طور پر پاندیشہ ہو کہ صنائع کر دیں گے، ان کے بارے میں قرآن ہدایت کرتا ہے کہ ان کی املاک ان کے اختیار میں نہ دی جائیں بلکہ وہ ان کے سرپرست یا قاضی کے انتظام میں رہیں اور انہیں صرف اُس وقت سوچی جائیں جب اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ وہ اپنے معاملات کو ٹھیک طرح سنبھال سکیں گے :

وَلَا تُؤْتُوا السُّعْمَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي
جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَامًا وَاَرْزُقُوهُمْ فِيهَا
وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا
وَابْتَكَوْا لِبَنَاتِكُمْ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ
فَاِنْ اَنْتُمْ مِنْهُمْ رٰشِدًا فَاَدْفَعُوْا اِلَيْهِمْ
اَمْوَالَهُمْ (۴ : ۵-۶)

اور اپنے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے
زندگی کے قیام کا ذریعہ بنا یا ہے، نادان لوگوں
کے حوالہ نہ کرو۔ البتہ انہیں اس میں سے کھلاؤ
اور پہناؤ اور ان سے معقول بات کرو۔ اور بیویوں
کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح
کی عمر کو پہنچ جائیں اور تم ان میں ہوشمندی محسوس
کر سکو تو ان کے مال ان کے حوالہ کرو۔

اس آیت میں ایک اہم نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ شخصی املاک اگرچہ ان اشخاص ہی کی ملک ہیں جو ان پر قانوناً حق ملکیت رکھتے ہوں، لیکن وہ بالکل انہی کی نہیں ہیں، بلکہ ان کے ساتھ اجتماعی مفاد بھی وابستہ ہے۔ اسی بنا پر قرآن اَمْوَالَهُمْ (ان کے مال) کہنے کے بجائے اَمْوَالُكُمْ (تمہارے مال)

۲۹ وصیت کے قانون کی تشریح کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق وصیت پر تین حدود عائد کیے ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ اپنے ایک تہائی مال کی حد تک وصیت کے اختیارات استعمال کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں کو از روئے قانون وراثت کا حصہ پہنچتا ہو ان کے لیے کوئی وصیت دوسرے وارثوں کی رضامندی کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔ تیسرے یہ کہ کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنے یا اس کے حصہ میں کمی کرنے

کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔ نیل الاوطار، ج ۶، صفحہ ۳۱-۳۵۔

کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور اسی بنیاد پر وہ سرپرستوں اور قاضیوں کو یہ اختیار دیتا ہے کہ جہاں شخصی املاک میں بے جا تصرف سے معاشرے کا اجتماعی نقصان کیا جا رہا ہو، یا ایسے نقصان کا معقول اندیشہ ہو، وہاں مالک کے حق ملکیت اور حق انتفاع کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا حق تصرف اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

۲۱۔ سرکاری املاک میں اجتماعی مفاد کا لحاظ جو جائدادیں اور اموال اور آمدنیاں حکومت کی ملک ہوں، ان کے بارے میں قرآن ہدایت کرتا ہے کہ ان کا صرف محض دولت مند طبقوں کے مفاد میں نہیں بلکہ عام لوگوں کے مفاد میں ہونا چاہیے، اور خصوصیت کے ساتھ ان کے صرف میں متعارف کے کمزور طبقات کی بھلائی کا زیادہ لحاظ رکھا جانا چاہیے:

جو کچھ پھر دے اللہ اپنے رسول کی طرف بستنیوں کے لوگوں سے وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں کے لیے اور تیمیٰ اور مسکین اور مسافر کے لیے، تاکہ یہ مال صرف تمہارے مال داروں ہی میں چکر نہ لگانا رہے... نیز وہ ان غریب مہاجرین کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال دیے گئے ہیں اور وہ ان انصار کا حق بھی ہے جو مہاجرین

مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَىٰ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ... لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ ... وَالَّذِينَ تَبَوَّأُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ... وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ (۵۹: ۱۰) ... اور وہ ان انصار کا حق بھی ہے جو مہاجرین

۱۳۱۔ ابن العربی، احکام القرآن مج ۱، ص ۱۳۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۲۵۲۔ الجصاص

احکام القرآن، ج ۲، ص ۷۲، ۷۳۔

۱۳۲۔ اس مراد اسلامی ریاست کے نظم و نسق اور دفاع کے مصارف ہیں۔ اسی مد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اپنا گزارہ لیتے تھے اور اپنے عمال و باعثنا و عاملین زکوٰۃ، کی تنخواہیں بھی دیتے تھے۔

۱۳۳۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۔

کے آنے سے پہلے ایمان کے ساتھ دارالاسلام میں
مقیم تھے... اور اس میں بعد کے آنے والوں کا
حق بھی ہے۔

۲۲۔ ٹیکس عائد کرنے کے متعلق اسلام کا اصولی ضابطہ ٹیکس عائد کرنے کے بارے میں قرآن اس
اصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ٹیکسوں کا بار صرف ان لوگوں پر پڑنا چاہیے جو اپنی ضرورت سے
زیادہ مال رکھتے ہوں، اور ان کی دولت کے بھی صرف اس حصے پر یہ بار ڈالا جانا چاہیے جو ان کی
ضرورت سے زائد بچتا ہو:

وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، کہو
جو کچھ تمہاری ضرورت سے بچے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ

(۲: ۲۱۹)

الْعَفْوُ

اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات قرآن کے ان ۲۲ نکات میں انسان کی معاشی زندگی کے لیے
جو اسکیم مرتب کی گئی ہے اس کے بنیادی اصول اور نمایاں خصائص یہ ہیں:

۱۔ اس میں معاشی اقدار کو اخلاقی اقدار سے الگ رکھنے کے بجائے ان کے ساتھ ہم آہنگ
کیا گیا ہے اور معیشت کے مسائل کو مجرد معاشی نقطہ نظر سے لے کر حل کرنے کے بجائے انہیں اس مجموعی
نظام حیات کے تناسب میں رکھ کر حل کیا گیا ہے جس کی عمارت اسلام نے کلینتہ خدا پرستانہ تصور
کائنات و فلسفہ اخلاق پر استوار کی ہے (نکات ۱، ۲، ۴، ۵،

۲۔ اس میں زمین کے معاشی وسائل و ذرائع کو نوع انسانی پر خدا کا فضل عام قرار دیا گیا ہے
جس کا تقاضا یہ ہے کہ شخصی، گروہی یا قومی اجارہ داریوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے اور اس کے بجائے
خدا کی زمین پر سچی نوع انسان کو اکتساب رزق کے زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک کھلے مواقع دینے
جائیں (نکتہ ۵،

۳۔ اس میں افراد کی شخصی ملکیت کا حق دیا گیا ہے مگر غیر محدود نہیں۔ فرد کے حق ملکیت پر
دوسرے افراد اور معاشرے کے مفاد کی خاطر ضروری پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ یہ اسکیم ہر فرد

کے مال میں اس کے اقرباء، ہمسایوں، دوستوں، حاجت مند اور کم نصیب انسانوں، اور مجموعی طور پر پورے معاشرے کے حقوق بھی قائم کرتی ہے۔ ان حقوق میں سے بعض جبری طور پر قابلِ تنفیذ ہیں اور بعض کو سمجھنے اور ادا کرنے کے لیے خود افراد کو ذہنی و اخلاقی تربیت کے ذریعہ سے تیار کرنے کا انتظام کیا گیا ہے (نکات ۳، ۵، ۷، ۸، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۲۰)۔

۴۔ انسانی زندگی کے معاشی نظام کو چلانے کی فطری صورت اس اسکیم کی رو سے یہ ہے کہ افراد اسے آزادانہ سعی و جہد کے ذریعہ سے چلائیں اور ترقی دیں۔ لیکن یہ آزادانہ سعی و جہد اس میں بے قید نہیں رکھی گئی ہے، بلکہ معاشرے کی اور خود ان افراد کی اپنی اخلاقی و تمدنی اور معاشی بھلائی کے لیے اسے بعض حدود سے محدود کیا گیا ہے (نکات ۶، ۷، ۱۵، ۲۲)۔

۵۔ اس میں عورت اور مرد دونوں کو ان کی کمائی ہوئی اور میراث یا دوسرے جائز ذرائع سے پائی ہوئی دولت کا یکساں مالک قرار دیا گیا ہے اور دونوں صنفوں کو اپنے حق ملکیت سے متنع ہونے کے یکساں حقوق دیئے گئے ہیں (نکات ۳، ۴، ۱۸)۔

۶۔ اس میں معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے ایک طرف تو لوگوں کو بخشنی اور رہبانیت سے روک کر خدا کی نعمتوں کے استعمال پر ابھارا گیا ہے، اور دوسری طرف انہیں اسراف و تبذیر سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے (نکات ۵، ۸، ۱۰)۔

۷۔ اس میں معاشی انصاف قائم کرنے کے لیے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ دولت کا بہاؤ نہ تو غلط ذرائع سے کسی خاص سمت میں چل پڑے اور نہ جائز ذرائع سے آتی ہوئی دولت کہیں ایک جگہ سمٹ کر بے کار کی رہ جاتے۔ اس کے ساتھ وہ یہ انتظام بھی کرتی ہے کہ دولت زیادہ سے زیادہ استعمال اور گردش میں آئے اور اس کی گردش سے خصوصیت کے ساتھ ان عناصر کو حصہ ملے جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنا مناسب حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہوں (نکات ۶، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۷، ۲۱)۔

۸۔ یہ اسکیم معاشی انصاف قائم کرنے کے لیے قانون اور ریاست کی مداخلت پر زیادہ انحصار

نہیں کرتی۔ چند ناگزیر تدابیر کو ریاست کی ذمہ داری قرار دینے کے بعد وہ اس مقصد کے لیے اپنی بقیہ تدابیر کا نفاذ افراد کی ذہنی و اخلاقی تربیت اور معاشرے کی اصلاح کے ذریعے کرتی ہے تاکہ آزاد سعی و جہد کی معیشت کے منطقی تقاضوں کو برقرار رکھتے ہوئے معاشی انصاف کا مقصد حاصل ہو سکے (ذکات ۵ تا ۲۲)

۹۔ معاشرے کے مختلف عناصر میں طبقاتی کشمکش پیدا کرنے کے بجائے وہ اس کے اسباب کو ختم کر کے ان کے درمیان تعاون اور رفاقت کی رُوح پیدا کرتی ہے (ذکات ۴، ۶ تا ۱۱، ۱۲، ۱۵ تا ۲۱، ۲۲)۔

یہ اصول نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں جس طرح عملاً ریاست اور معاشرے کے نظام میں نافذ کیے گئے تھے اس سے ہم کو احکام اور نظام کی شکل میں بہت سی مزید تفصیلات حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بحث اس مضمون کے موضوع سے خارج ہے۔ اس کے متعلق حدیث، فقہ، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں وسیع مواد موجود ہے جس کی طرف تفصیلات کے لیے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

فہرست مآخذ

قرآن حکیم۔

- بیضاوی، انوار التنزیل، مصطفیٰ البابی علی، مصر، ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء)،
 آلوسی، رُوح المعانی، ادارة الطباعة المنيرية، مصر، ۱۳۲۵ھ
 الجصاص، احکام القرآن، مطبعة البهیتہ، مصر، ۱۳۲۷ھ
 ابن العربی، احکام القرآن، مطبعة السعاده، مصر، ۱۳۲۱ھ
 ابن جریر، جامع البیان، مطبعة الامیریه، مصر، ۱۳۲۸ھ

ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مطبعة مصطفیٰ محمد، مصر، ۱۹۴۷ء

الزمخشري، الکشاف، المطبعة البهيتية، مصر، ۱۳۴۳ھ

البنجاری، صحیح

مسلم، صحیح

ابوداؤد، سنن

الترمذی، سنن

العسائی، سنن

ابن ماجہ، سنن المصطفیٰ

المشوکاتی، نیل الاوطار، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۴۷ھ

ابن عبد البر، الاستیعاب، دائرة المعارف، حیدرآباد، ۱۳۳۷ھ

ابن منظور، لسان العرب، بیروت، ۱۹۵۶ء